



الاضواء AL-AZVĀ

ISSN 2415-0444; E- ISSN 1995-7904

Volume 34, Issue, 52, 2019

Published by Sheikh Zayed Islamic Centre,
University of the Punjab, Lahore, 54590 Pakistan.

مسلم مفکرین کا نظریہ تاریخ - قرآنی آیات کی روشنی میں

Muslim Thinkers Approach towards History - in the Light of the Qur'ān

سلطان شمس الحق *

مستفیض احمد علوی **

Abstract:

The Holy Qur'ān comments on rise and fall of nations, thus laying down the moral principles to be followed for the rise and pointing out violations resulting into fall of human societies. The Muslim Historians, in general, have followed the same principles to judge rise and fall of nations, as that of Qur'ān, in their historiographies. This paper studies the point of view of Muslim historians, in the light of explanations given by them, about the history and its philosophy. The Muslim Historian of high middle ages, *Ibn Miskawāyḥ* believed in the use of philosophical wit instead of mere collection of events, on behalf of historian. *Ibn Khaldūn* founded the philosophy of social historiography. Following him, the modern scientific and logical trends made it an art to unfold the collective human nature, conscience and culture. *Zia al-Dīn Barnī* and *Mullā Abdul Qādir* were first Muslim historians, in the Sub-Continent to follow the modern philosophy of History. *Allāmah Shiblī* compared the ideas of Western critics and Eastern Historians supporting the fact of going into the past for moral lessons, to achieve success in future. *Allāmah Iqbāl* believed that History is a mirror which reflects the whole human origin. *Sayyed Mawdūdī* based his writing of history on the philosophy given by the Holy Qur'ān. What the following article explores, is the fact that the Muslim scholars based their Philosophy of History in the Sub-Continent, as that of inferred from the Quranic narratives.

Key Words : Muslim Thinkers, Historiography, Qur'ānic Studies

تعارف:

ماضی کے واقعات کی تفصیل، اگر وقت وقوع کی نشاندہی کے ساتھ بیان کی جائے تو اسے تاریخ کہتے ہیں۔ عربی زبان سے ماخوذ لفظ تاریخ کا بنیادی مادہ، ا-ر-خ ہے، جو فعل کی صورت میں آئے تو وقت کی نشاندہی کے معنوں میں

* پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ علوم اسلامیہ، گفٹ یونیورسٹی، گوجرانوالہ، پاکستان

** ڈائریکٹر فیکلٹی آف آرٹس اینڈ سوشل سائنسز، گفٹ یونیورسٹی، گوجرانوالہ، پاکستان

استعمال ہوتا ہے۔¹ تاریخ کا انگریزی متبادل History ہے جو کہ قدیم یونانی لفظ *Istoria* سے ماخوذ ہے، جس کے لغوی معنی تحقیق و تدقیق کے ہیں۔² یہ لفظ یونانی سے لاطینی اور لاطینی سے انگریزی میں منتقل ہوا۔ جسے انسانی زندگی کے حالات و واقعات کے ساتھ منسوب کر دیا گیا۔ لہذا یہ طے ہوا کہ History علم کی وہ شاخ ہے جو ماضی کے واقعات سے متعلق ہو۔³

قدیم یونانی مورخ ہیر وڈوٹس (Herodotus: 484-425 BC) کا خیال تھا کہ تاریخ وہ علم ہے جو بنی نوع انسان کے عمل سے متعلق ہے:

History is a science of human action.⁴

جب کہ ارسطو (Aristotle: 384-322 BC) سمجھتا تھا کہ تاریخ فقط طبعی حقائق کو جمع کرنے کا نام ہے:

History is a mere collection of empirical facts.⁵

خود علم تاریخ کی تاریخ کا مطالعہ کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ انسان کے نظریہ تاریخ میں انقلابی تبدیلی اس وقت واقع ہوئی جب نزول قرآن شروع ہوا اور قرآن حکیم نے تاریخ انسانی کے ارتقاء اور عروج و زوال کا فلسفہ، اپنے تاریخی بیانیے میں کھول کر بیان کر دیا۔ جس میں سب سے بڑا اور بنیادی قانون مکافات عمل کا ہے۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو قرآن سے مستنبط ہونے والے علوم میں سے قصص و امثال کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ قوموں کی اجتماعی اخلاقیات کا، اس قوم کے عروج و زوال سے گہرا تعلق ہے۔ لہذا، تاریخ کا علم، ماضی کے دروس عبر سے مزین ہے، جس کی بنیاد پر، مستقبل کی منصوبہ بندی استوار ہوتی ہے۔

قرآنی آیات سے مستنبط فلسفہ تاریخ:

قرآن حکیم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کائنات کی تخلیق و تشکیل اور اس کا انتظام و انصرام، جن قوانین اور طریقوں پر قائم و دائم ہے، وہ خالق کائنات کی مشیت اور قدرت کے تابع ہیں۔ اللہ رب العالمین کی طرف سے تشکیل، ارتقاء اور عروج و زوال کی ساری ترکیب و ترتیب جاری و ساری ہے۔ آیات قرآنی کے مطالعہ اور تفہیم کی روشنی میں یہ حقیقت بھی علمائے تفسیر نے واضح کی ہے کہ، اس کائنات کے ایک اہم حصے یعنی زمینی دنیا پر موجود، حیات انسانی کو بھی الہی قوانین مشیت و قدرت کے تحت منظم کیا گیا ہے، جن کے تحت انسانی زندگی، تاریخ و تعمیر سے لے کر عروج و زوال تک پابند رہتی ہے۔ ایسے اصول و قوانین قرآن کی اصطلاح میں سنن الہیہ (Divine Laws) کہلاتے ہیں۔

آیات الہی سے واضح اشارہ ملتا ہے کہ انسان غور و فکر کے ذریعے کائنات کے اسرار و رموز جان کر ان قوانین سے باخبر ہو تا رہے اور اپنے منصب کے مطابق اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتا رہے، تاکہ فلاح و کامرانی اسے نصیب ہو سکے، جیسا کہ فرمایا گیا:

﴿إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَّاءٍ فَأَخْبَتَ بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ وَتَصْرِيفِ الرِّيَّاحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ﴾⁶

(آسمان اور زمین کی پیدائش، رات دن کا ہیر پھیر، کشتیوں کا لوگوں کو نفع دینے والی چیزوں کو لیے ہوئے سمندروں میں چلنا، آسمان سے پانی اتار کر مردہ زمین کو زندہ کرنا، اس میں ہر قسم کے جانوروں کو پھیلانا، ہواؤں کے رخ بدلنا اور بادل جو آسمان اور زمین کے درمیان مسخر ہیں، ان میں عقل مندوں کے لئے قدرت الہی کی نشانیاں ہیں۔)

قرآن حکیم سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ رب العالمین نہ صرف اس کائنات کا خالق ہے بلکہ مالک و آقا بھی ہے۔ یہ کل کائنات اسی کی ملکیت ہے اور اسی کے قوانین و ضوابط کی پابند بھی ہے: ﴿تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾⁷ (بڑا عالی شان ہے وہ (اللہ) جس کے ہاتھ میں (ساری) حکومت ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے۔) یہ بھی حقیقت ہے کہ پوری کائنات اس کے حکم کی تابع فرمان ہے اور اس کے احکام کی سر موخراں نہیں کرتی بلکہ ان کا خدا سے تعلق نہایت تعبدانہ ہے:

﴿وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذَلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ وَالْقَمَرَ قَدَرْنَاهُ مَنَازِلَ حَتَّىٰ عَادَ كَالْعُرْجُونِ الْقَدِيمِ لَا الشَّمْسُ يَنْبَغِي لَهَا أَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا اللَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ﴾⁸

(اور سورج کے لیے جو مقرر رہے وہ اسی پر چلتا رہتا ہے یہ ہے اندازہ غالب با علم اللہ تعالیٰ کا۔ اور چاند کی ہم نے منزلیں مقرر کر رکھی ہیں یہاں تک کہ وہ لوٹ کر پرانی ٹھنی کی طرح ہو جاتا ہے۔ نہ آفتاب کی یہ مجال ہے کہ چاند کو پکڑے اور نہ رات دن پر آگے بڑھ جانے والی ہے اور سب کے سب آسمان میں تیرتے پھرتے ہیں۔)

قرآن مجید اس پوری کائنات کو "مسلم" قرار دیتا ہے کہ وہ خدا کے ان قوانین و احکام کی فرماں برداری میں سر تسلیم خم کیے ہوئے ہے۔ انسان کو چونکہ عقل و شعور کی نعمتوں سے فیضیاب کیا گیا ہے، لہذا اس کے لیے

شایان شان ہی یہ بنتا ہے کہ کائنات سے جو سبق واضح ہے اسی کے آگے سر تسلیم کر کے کائنات کے ساتھ ہم آہنگ ہو جائے:

﴿فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيمًا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ
اللَّهِ ذَلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ﴾¹¹

(پس یک سو ہو کر اپنا رخ اس دین کی سمت میں جمادو، قائم ہو جاؤ اس فطرت پر جس پر اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پیدا کیا ہے، اللہ کی بنائی ہوئی ساخت تبدیل نہیں ہو سکتی۔)

قرآن حکیم نے یہ بھی اعلان فرمایا ہے کہ اللہ کے قوانین تبدیل نہیں ہوتے۔ زمین سے لے کر آسمان تک اور آدم سے لے کر آخری انسان تک یہی قوانین رہیں گے اور ان کے نتائج بھی وہی رہیں گے جو روزِ اول سے مقرر کیے گئے ہیں۔ کسی فرد، قوم، ملک و ملت یا کسی خاص خطے کے افراد یا کسی بھی مذہب کے کے ماننے والوں کے لئے اس میں استثنیٰ نہیں ہے۔

ارشاد الہی ہے:

﴿فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللَّهِ تَبْدِيلًا وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللَّهِ تَحْوِيلًا﴾¹⁰

(سو آپ اللہ کے دستور کو کبھی بدلتا ہوا نہ پائیں گے اور آپ اللہ کے دستور کو کبھی منتقل ہوتا ہوا نہ پائیں گے۔)

قرآن حکیم میں بیان شدہ اس حقیقت کی وضاحت کرتے ہوئے مفسرین نے لکھا ہے کہ "سنن الہیہ" سے مراد وہ مخصوص قوانین و اصول ہیں جن کے تحت خدا تعالیٰ تمام اقوام و ملل اور افرادِ معاشرہ کی زندگی کے سلسلے قائم رکھے ہوئے ہے۔ علامہ زمخشری (1078ء-1144ء)، امام قرطبی (1214ء-1274ء) اور امام اشوکانی (1759ء-1839ء) کے مطابق ایام و تاریخ اقوام وہ واقعات ہیں جو اللہ تعالیٰ نے جھٹلانے والی امتوں میں جاری کیے۔¹¹ علامہ ابن تیمیہ (1263ء-1328ء) فرماتے ہیں کہ تاریخ انسانی میں مختلف تہذیبوں اور معاشروں کے ساتھ خدا کے وہ معمولات جو نظائر کی شکل میں ہمارے سامنے آتے ہیں اور ان نظائر کی روشنی میں ہم کسی بھی موجود انسانی معاشرے کے بارے میں کہہ سکتے ہیں کہ اللہ ان کے ساتھ کیا معاملہ کرے گا کیونکہ اس کی نظیر ہمارے سامنے تاریخ میں موجود ہوتی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

ہی العادة التي تتضمن ان يفعل في الثاني كما فعل نظيرة الاول۔¹²

(ایسا معمول جو اس بات پر متضمن ہو کہ جو پہلے کے ساتھ ہو اس کی نظیر اور اس کی ملتی جلتی صورت کے ساتھ بھی وہی ہو گا۔)

علامہ رشید رضا اپنی تفسیر 'المنار' میں فرماتے ہیں کہ یہ خدائے بزرگ و برتر کا ایک نظام ہے جو اقوام و ملل اور افراد و اہل کے لیے وضع کیا گیا ہے اور اسی کے مطابق ان سے معاملات کیے جاتے ہیں اور اس نظام میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی۔¹³

سنن النبیه کا اطلاق، انسانوں سے متعلق اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ قواعد و ضوابط پر ہوتا ہے، جن کے مطابق کاروبار حیات انسانی جاری و ساری رہتا ہے۔ تاہم اس سلسلہ میں انسان کا معاملہ دیگر مخلوق سے الگ دائرے رکھتا ہے۔ علامہ ابن تیمیہ، انسانی زندگی سے متعلق قوانین کے بارے میں لکھتے ہیں:

وهذه السنن كلها سنن تتعلق بدینہ ، وأمره ونهیہ ، ووعدہ ووعدہ ، ولیست
هي السنن المتعلقة بأمور الطبيعة، كسننه في الشمس والقمر والكواكب وغير
ذلك من العادات۔¹⁴

(یہ وہ تمام سنن ہیں جن کا تعلق اس کے دین، اس کے اوامر و نواہی، اس کے وعدہ و وعید سے ہے اور یہ وہ سنن نہیں ہیں جو طبعی امور جیسے کہ سورج، چاند اور دیگر اجرام فلکی میں جاری و ساری ہیں۔)

ڈاکٹر عبد الکریم زیدان، ان دونوں قسم کے قوانین کو دو دیگر اصطلاحات سے موسوم کرتے ہیں، مگر ان کے ہاں بھی، اپنے مفہوم کے اعتبار سے سنن کی دو صورتیں ہی نظام دنیا و مافیہا میں کارگر نظر آتی ہیں، اور دونوں میں گونا فرق ہے؛ ایک کائنات کے مادی واقعات ہیں یعنی الأحداث الكونية المادية، اور دوسرے انسانی معاشرت سے متعلق قوانین یعنی الأحداث الاجتماعية۔ وہ لکھتے ہیں:

وكل الفرق بين الأحداث الكونية المادية وبين الأحداث الاجتماعية هو أن
أسباب الأولى واضحة بيئة مضبوطة إذا عرفناها أمكننا الحكم بدقة على
نتائجها وميقات هذه النتائج ، فالماء مثلاً يجمد إذا بلغت درجة برودته كذا
درجة ، ويصل إلى الغليان إذا وصلت درجة حرارته إلى كذا درجة وبعد كذا
من الوقت، ---

(کائنات کے مادی واقعات اور معاشرتی واقعات میں سب سے بڑا فرق یہ ہے کہ پہلے کے اسباب واضح روشن اور منضبط ہیں۔ جب ہم ان کو جان لیں تو ہمارے لئے تفصیل کے ساتھ ان نتائج پر حکم

لگانا اور ان نتائج کا وقت مقرر کرنا ممکن ہوتا ہے۔ مثلاً درجہ حرارت اس نقطہ تک پہنچ جائے تو پانی جم جاتا ہے اور جب اس حد کو پہنچ جائے تو ابلنے لگتا ہے۔
جب کہ انسانی سماج میں تبدیلی کے واقعات کا معاملہ دوسرا ہے:

وهكذا. أما أسباب الأحداث الاجتماعية فهي بمختلف أنواعها من سياسية واقتصادية وحضارية وعمرانية وغلبة ونصر وهزيمة وخذلان.. إلخ.، أسباب دقيقة وكثيرة ومتشعبة ومتشابكة، وقد يعسر على الكثيرين الإحاطة بها تفصيلا - 15

(معاشرتی واقعات اپنے اسباب اور اپنی مختلف سیاسی اقتصادی تمدنی یا تہذیبی، نصرت اور شکست و ذلت وغیرہ جیسی انواع کی حیثیت سے مختلف ہو جاتے ہیں۔ یہ اسباب بڑے گہرے، بہت زیادہ باہم ملے جلے اور منتشر ہیں۔ بہت سارے لوگوں کے لئے ان کا تفصیلی احاطہ کرنا مشکل ہو سکتا ہے۔)

قرآن مجید کی بہت سی آیات اس حقیقت سے پردہ اٹھاتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے آدم کو جو خاص فضیلت و عظمت اور عزت و شرف عطا فرمایا وہ کسی اور مخلوق کے حصے میں نہیں آیا۔ ساری کائنات کا نظام و انصرام انسان کی مدد اور خدمت میں لگا ہوا ہے۔ زمین و آسمان کی ساری چیزیں اسی کے تابع اور مسخر کی گئی ہیں۔¹⁶ انسان کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ چاہے تو الہی قوانین پر عمل پیرا ہو کر سعادت دارین حاصل کر لے، چاہے تو ان قوانین سے ناشکری اور بغاوت کر کے بد بختی کو اپنا مقدر بنالے۔ اسے اچھے برے کو اختیار کرنے کا اختیار دے کر صحیح اور غلط کی پہچان کرا دی گئی ہے لیکن راہ عمل اختیار کرنے میں اسے پورا اختیار بنا دیا گیا ہے:

﴿إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا﴾¹⁷

(ہم نے اسے راہ دکھائی اب خواہ وہ شکر گزار بنے خواہ ناشکر۔)

دوسرے مقام پر قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ یوں آیا ہے:

﴿وَمَنْ شَكَرَ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهِ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ رَبِّيَ غَنِيٌّ كَرِيمٌ﴾¹⁸

(شکر گزار اپنے ہی نفع کے لیے شکر گزاری کرتا ہے اور جو ناشکری کرے تو میرا پروردگار بے

پرواہ اور بزرگ ہے۔)

ڈاکٹر فصل الرحمان (1988-1919ء) نے اسی بات کو یوں بیان کیا ہے:

Since everything in the universe does behave in accordance with its ingrained laws automatically obeys the "command" of God, the whole universe is therefore Muslim, surrendering to the will of God. Man is the only exception to this universal law, for he is the only being endowed with a free choice of obeying or disobeying the command of God. Just as it is "written into" every other creature, this command is written upon man's heart. The only difference is that while every other creature follows its nature automatically, man ought to follow his nature; this transformation of the "goes" into "ought" is both the unique privilege and the unique risk of man.¹⁹

(چونکہ کائنات میں ہر چیز ان قوانین کے مطابق عمل کرتی ہے جو اس کے اندر رکھ دیے گئے ہیں یعنی خود بخود خدا کے حکم کی تابعداری کرتی ہے اس لیے پوری کائنات ہی اس اعتبار سے "مسلم" ہے جو خدا کی مرضی کے سامنے سر جھکا دیتی ہے۔ اس عالم گیر قانون میں واحد استثناء انسان ہے، اس لئے کہ وہ واحد وجود ہے جسے یہ اختیار دیا گیا ہے کہ خدا کے حکم کی اطاعت کرے یا نافرمانی کرے ٹھیک اسی طرح جیسے یہ حکم ہر دوسری مخلوق کے اندر "لکھ دیا گیا ہے" اس طرح یہ حکم انسان کے دل پر لکھ دیا گیا ہے۔۔۔ فرق صرف اتنا ہے کہ جہاں ہر دوسری مخلوق خود بخود اپنی فطرت کے مطابق چلتی ہے، انسان کو "چاہیے" کہ اپنی فطرت کے مطابق چلے، یہ جو "چلتی ہے" کا "چلنا چاہیے" میں بدل جانا ہے تو یہ انسان کا غیر معمولی حق بھی ہے اور اس کے لئے غیر معمولی طرہ بھی!)

غلام احمد پرویز (1903ء-1985ء) انسان کے اس اختیار و انتخاب کی توضیح یوں کرتے ہیں:

ہماری کائنات کے دو حصے ہیں۔ ایک حصہ عالم آفاق (یعنی انسانوں کے دنیا کے سوا باقی ساری کائنات) اور دوسرا حصہ، انسانی دنیا۔ اگر تم اس بنیادی فرق کو پیش نظر رکھو تو مسئلہ تقدیر کی بہت سی پیچیدگیاں خود بخود حل ہو جائیں گی۔ عالم آفاق میں خدا کا قانون از خود کار فرما ہے اور کسی کو اس سے سرتابی کی مجال نہیں (کل لہ قانون) لیکن انسان کو صاحب ارادہ پیدا کیا گیا ہے۔ یہ اپنی مملکت میں آپ صاحب اختیار ہے، لیکن جس طرح عالم آفاق کی نشو و نما ربوبیت ایک قانون کے تابع ہوتی ہے اسی طرح عالم انسانی کی نمود و ارتقاء بھی ایک نظام کے ماتحت کار فرما ہوتی

ہے۔ عالم آفاق میں ہر شے کو اس قانون کی پابندی طوعاً و کرہاً کرنی پڑتی ہے، اس لئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ "تقدیر" کے پابند ہیں یعنی ان اندازوں کے پابند جو ان کی نقل و حرکت اور نشو و نما کے لئے مقرر ہیں اور جن سے انہیں کسی صورت میں بھی مفر نہیں۔ اس کے برعکس عالم انسانیت میں یہ قانون، ہدایت خداوندی کی شکل میں موجود رہتا ہے، لیکن انسان کو یہ اختیار حاصل ہوتا ہے کہ وہ اس پر عمل کرے یا نہ کرے۔ بالفاظ دیگر اشیائے کائنات تخلیقی قانون کی پابندی مجبوراً کرتی ہیں، جو ان کے اندر ودیعت کر کے رکھ دیا گیا ہے لیکن انسان، قانون خداوندی کی پابندی اپنے اختیار سے کرتا ہے جو اسے انبیاء کی وساطت سے ملتا ہے۔²⁰

علامہ اقبال نے، اسے یوں بیان کیا ہے:

تقدیر کے پابند ہیں نباتات و جمادات

مومن فقط احکام الہی کا ہے پابند²¹

قرآن مجید عمل تاریخ کو قانون مکافات عمل یا جزا و سزا کا نتیجہ قرار دیتا ہے اس کا دعویٰ ہے کہ قوموں کے اجتماعی اعمال خواہ اچھے ہوں یا برے، ایک مقرر وقت پر نتائج ضرور دیتے ہیں، جیسا کہ ارشاد ہوا:

﴿لِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ إِذَا جَاءَ أَجْلُهُمْ فَلَا يَسْتَأْذِنُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ﴾²²

(ہر قوم کے لیے ایک مدت مقرر ہے، لہذا جب ان کا وقت آجاتا ہے تو پھر کوئی لمحہ تاخیر یا تقدیم نہیں ہوتی۔)

اور اسی طرح، قرآن حکیم میں یہ امر بھی واضح کیا گیا ہے کہ کسی قوم کی اجتماعی حالت اسی وقت آتی ہے جب وہ خود اپنے آپ کو تغیر کے لیے تیار کر لیتی ہے، لہذا، ارشاد ہوتا ہے کہ:

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّى يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ﴾²³

(بے شک اللہ تعالیٰ کسی قوم کے حالات نہیں بدلتا، جب تک وہ خود اپنے آپ نہ بدلیں۔)

چنانچہ جہاں کہیں قرآن گذشتہ قوموں کی تباہی کا ذکر کرتا ہے وہاں اس بات کی تصریح بھی ضرور کر دیتا ہے کہ جو عذاب یا تباہی کسی قوم پر وارد ہوئی ہے یہ اصل میں انہی کے اعمال کا نتیجہ تھی:

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْئًا وَلَكِنَّ النَّاسَ أَنْفُسُهُمْ يَظْلِمُونَ﴾²⁴

(یقیناً، اللہ تعالیٰ انسانوں پر کسی طرح ظلم نہیں کرتا لیکن انسان خود اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں۔)

گویا، واقعات تاریخ اور انقلابات عالم، انسان کے اپنے اعمال کا براہ راست نتیجہ ہیں۔ تاہم تاریخ خود اپنے مستقل قوانین رکھتی ہے جو تقدیر اور تدبیر کے امتزاج پر مبنی ہیں۔

متقدم علمائے تاریخ کا نقطہ نظر:

المسعودی (896-956ء) کہتے ہیں کہ تاریخ کوئی جامد اور ساکت شے نہیں ہے، جس طرح قومیں اور معاشرے سیاسی تبدیلیوں کے ساتھ اپنے مزاج تبدیل کرتی رہتی ہیں، اسی طرح ان کی تاریخ تبدیل ہو رہی ہوتی ہے۔ مؤرخ کا منصب یہ ہے کہ اس بات کا خیال رکھے کہ حکومتی تبدیلی کے ساتھ قوم میں کیا کیا تغیرات رو پذیر ہوئے، وہ ان پر نظر رکھ کے تجزیہ کرتا جائے۔²⁵ لہذا، ابن مسکویہ (932-1030ء) نے تاریخ نگاری کو واقعات نگاری تک محدود رکھنے کی بجائے، مؤرخ کے لیے ضروری قرار دیا کہ وہ واقعات کے پس منظر میں موجود اسباب و علل کا کھوج لگانے کا کام کرے۔ وہ فرماتے ہیں کہ:

متبددة فی الخرافات والأساطیر الّتی لیست لها فائدة الاستجلاب النّوم بها،
والتأنس بالمستطرف منها۔²⁶

(تاریخی واقعات اور خرافات باہم گڈمڈ ہو گئے ہیں، حالانکہ واقعات اور قصوں سے اس کے سوا اور کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا کہ ان کو سن کر نیند آئے اور ان کی عجوبگی سے دلچسپی لی جائے۔) ایک مؤرخ کے شایان شان یہ ہے کہ وہ ماضی کے واقعات کو اسباب و علل کی روشنی میں پرکھے، اور اس طرح بیان کرے کہ آنے والی نسل انسانی کے لیے عبرت اور سبق آموزی کا سامان میسر ہو۔ گویا، تاریخ نام ہے انسانی اعمال اور تجربات کے جملہ محرکات اور دنیا میں عمل پذیر ان کے اثرات کا۔ لہذا، علم تاریخ وہ شعبہ فکر ہے جس میں انسانی تہذیب و تمدن کے آغاز و ارتقاء، نشیب و فراز اور ان کے محرکات و اثرات سے آگہی حاصل کی جاتی ہے۔

برصغیر کی مسلم تاریخ نویسی کی روایت میں ضیاء الدین برنی (1285-1357ء) نے سب سے پہلے قلم اٹھایا۔ ان کے خیال میں تاریخ سے اہل بصیرت اس طرح فیض یاب ہوتے ہیں جس طرح وہ آسمانی صحائف سے مستفید ہوتے ہیں۔ ماضی کا مطالعہ کرنے سے قاری، شعوری طور پر ماضی میں سفر کرتا ہے۔ جن عظیم ہستیوں کی تاریخ وہ جان رہا ہے، دراصل وہ اس کے شعور پر اپنی عظمت کے گہرے نقوش ثبت کرتے ہیں، اور اہل بصیرت اپنی عظمت کے اصول اسی تاریخ سے اخذ کر لیتے ہیں۔ برنی کے مطابق:

علم تاریخ اخبار اوصاف بزرگی و ذکر محامد و مناقب و مائر بزرگان دین
دولت است۔²⁷

(تاریخ میں بزرگان دین و دولت کے اوصاف اور ان کی بزرگی و کمالات، ان کے مناقب و اثرات کا بیان ہوتا ہے۔)

لہذا، تاریخ عقل و شعور بڑھاتی ہے انسان دوسروں کے تجربوں کا مطالعہ کر کے خود صاحب تجربہ ہو جاتا ہے اور دوسروں کو جو حوادث پیش آئے ہیں ان کا علم تاریخ جاننے والوں کو محتاط بنادیتا ہے۔ اسی بات کو وہ یوں بیان کرتے ہیں:

در علم تاریخ آنست کہ در علم تاریخ واسطہ زیادتى عقل و شعور و وسیلہ درستی رای و تدبیر است و از مطالعہ تجارب دیگران شخص صاحب تجربہ میگردد و از دانستن تجربہ حوادث دیگر در تاریخ حزم پیدا می آید۔²⁸

برنی نے سلاطین خلفاء پر صوفیا کو ترجیح دی ہے۔ ان کے مطابق صوفی کی شخصیت سلطان سے بڑھ کر ہوتی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ انبیاء اور صالحین کے حالات پڑھ کر انسان میں صبر قناعت اور تسلیم و رضا کی خوبیداء ہوتی ہے: ایشان حوادث و وقائع را برضا و صبر باعث رضا و صبر دانندگان تاریخ میگردد۔²⁹

علامہ ابن خلدون (1332 – 1406ء) لکھتے ہیں کہ بطور علم و فن، تاریخ ایک بنیادی اور اعلیٰ مقام

رکھتا ہے:

اعْلَمْ أَنَّ فَنَّ التَّارِيخِ فَنٌّ عَزِيزُ الْمَذْهَبِ، جَمُّ الْفَوَائِدِ، شَرِيفُ الْغَايَةِ، إِذْ هُوَ يُوقِفُنَا عَلَى أَحْوَالِ الْمَاضِيْنَ مِنَ الْأُمَمِ فِي أَخْلَاقِهِمْ، وَالْأَنْبِيَاءِ فِي سِيَرِهِمْ، وَالْمُلُوكِ فِي دَوْلِهِمْ وَسِيَاسَتِهِمْ، حَتَّى تَتِمَّ فَايْدَهُ الْإِقْتِدَاءُ فِي ذَلِكَ لِمَنْ يَرُومُهُ فِي أَحْوَالِ الدِّينِ وَالْدُّنْيَا۔³⁰

(واضح رہے کہ تاریخ ایک بلند مرتبہ شعبہ علم اور کثیر الفوائد، خوش نتائج فن ہے۔ اس لیے کہ وہ ہمیں سابقہ امتوں کے اخلاقی حالات، انبیاء کی سیرتوں اور سلاطین کی حکومتوں اور ان کی سیاستوں سے روشناس کراتا ہے۔ تاکہ جو شخص دینی اور دنیاوی معاملات میں ان میں سے کسی کی پیروی کرنا چاہے تو اس کا دامن فائدے سے خالی نہ رہے۔)

ملا عبد القادر بدایونی (1540–1605ء)، سلطنت مغلیہ ہند میں، دور اکبری کے ایک نامور مؤرخ ہیں، ان کے خیال میں وہ لوگ جن کو اللہ تعالیٰ نے نور یقین سے سرفراز کیا ہے اور توفیق الہی ان کے ہمراہ رہتی ہے، اس عالم کون و فساد میں رونما ہونے والے ہر سانحہ اور حادثہ کو صالح قدرت کی حکمت و قدرت کا نتیجہ سمجھتے ہیں۔³¹

ان کا کہنا ہے کہ اگر ہم بغور مطالعہ کریں تو یہ بات چھپی نہیں رہتی کہ یہ دنیا بذات خود ایک قدیم صحیفہ ہے جس کا آغاز و انجام تو ہماری نگاہوں سے اوجھل ہے لیکن اس کا ہر ورق افراد انسانی پر گزرنے والے احوال و حوادث کا مرقع اور ان لوگوں کے کارہائے نمایاں کا مجموعہ ہے جن کے ہاتھوں میں مخلوق خدا کی باگ ڈور رہی ہے۔ یعنی ہر گزشتہ تہذیب اپنی کہانی خود بیان کر گئی ہے۔ اس تہذیب نے کس حد تک اس دنیا کو متاثر کیا اور اس کی روداد زوال کیا ہے، یہ تاریخ کے آئینے میں محفوظ ہے:

علم تاریخ در حد ذات علمی ست شریف و فنیت لطیف چہ سرمایہ عبرت
ارباب خبرت و سنہ حب تجربہ اہل ودانش و بینش ست۔³²
(علم تاریخ بذاتہ ایک علم شریف اور فن لطیف ہے۔ اس لیے کہ اہل خبر کا سرمایہ عبرت اور اہل عقل کا آئینہ تجربات ہے۔)

اگرچہ، کشف الظنون میں حاجی خلیفہ (1609 - 1657ء) نے تاریخ کی تعریف یوں کی کہ:
هُوَ مَعْرِفَةُ أَحْوَالِ الطَوَائِفِ وَ بُلْدَانِهِمْ وَ رُسُومِهِمْ وَ عَادَاتِهِمْ وَ صَنَائِعِ
أَشْخَاصِهِمْ وَ أَنْسَابِهِمْ وَ وَفَائِهِمْ۔³³

(یہ وہ علم ہے جس میں انسانی طبقات، ان کے شہروں، رسوم و رواج، ان کی عادات و ایجادات، ان کے نسب اور وفات کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے۔)

مگر وہ بھی جانتے تھے کہ تاریخ اس کے علاوہ بھی بہت کچھ ہے! کیونکہ حقائق کی تلاش اور واقعات کے انتخاب میں مؤرخ کا طریقہ کار سائنسی ہوتا ہے، یعنی وہ مشاہدات و تجربات اور ان کے نتائج سے منظم بحث کرتا ہے۔ اس لیے تاریخ کی بنیاد تحقیق پر ہوتی ہے، جب اس تحقیقی مواد کو سپرد قلم کیا جاتا ہے تو وہ ایک فن بن جاتا ہے۔ ٹائسن بی (Toyenbee: 1889 - 1979) اسی بنیاد پر کہتا ہے کہ تاریخ نویسی حیات انسانی کے علم کو منظم کرنے کا نام ہے:

History is one of the ways of organizing knowledge.³⁴

تاریخ کے معنی حل کرنے اور نتائج تک پہنچنے کے لیے حکیمانہ اصول درکار ہوتے ہیں۔ تاریخ کے کسی دور کا گہرا مطالعہ اور وسیع غور فکر، ایک فلسفیانہ کاوش ہے جس سے اس دور کے حقائق اور نتائج سامنے آتے ہیں۔ یہ نتائج اور حقائق خاص قدر و قیمت رکھتے ہیں۔ مؤرخ ان حقائق کو سامنے رکھتے ہوئے، اس تاریخی پس منظر کو پیش منظر کے آئینہ میں دیکھنے کی کوشش کرتا ہے، یہی علم، فلسفہ تاریخ (Philosophy of History) کے نام سے جانا جاتا ہے۔

ہر واقعہ کی بنیاد اسباب اور علل پر ہوتی ہے۔ جس طرح فعل اور خیال لازم و ملزوم ہیں، کسی بھی دور کے حالات و واقعات اس دور کے محرک فکر کی عکاسی کرتے ہیں۔ مؤرخ ماضی کو مردہ نہیں سمجھتا بلکہ وہ ماضی کے واقعات سے روح مسلسل کوڈ ہونڈتا ہے۔ واقعات مر جاتے ہیں لیکن ان کی روح آنے والے واقعات میں منتقل ہوتی رہتی ہے۔ جب تک مؤرخ واقعات کی روح سے واقف نہ ہو گا تو وہ ماضی سے بے بہرہ رہے گا۔

لہذا، ایک اعلیٰ پائے کا مورخ، واقعات کی تشریح اور توضیح کر کے حیات انسانی کی ایک بامعنی تصویر کھینچتا ہے۔ گویا فلسفہ تاریخ کا تعلق تاریخ کی حقیقی نوعیت اور علم تاریخ کی معنوی قدروں سے ہے۔ یہ دراصل تاریخی مواد کا فکری نیچوڑ ہے۔³⁵

اس نقطہ نظر کا ارتقاء علامہ عبدالرحمن ابن خلدون (1332-1406ء) کے ہاں اپنی جامع صورت میں نظر آتا ہے۔ آیا تاریخ کو ماقبل کے حالات ہی سمجھا جائے یا یہ غور کیا جائے کہ ان حالات کی تہوں میں کوئی فلسفہ حیات بھی پنہاں ہے؟ اور یہ جانچا جائے کہ کچھ قواعد اور معیارات ایسے بھی ہو سکتے ہیں جن سے حالات کی صحت اور عدم صحت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے؟ اس سوال پر سب سے پہلے علامہ ابن خلدون نے غور کیا اور یوں انہوں نے تاریخ اور فلسفہ تاریخ کو ایک نیا موڑ دیا۔ قوموں کی معاشرتی تشکیل میں، ان کے ماضی، حال اور مستقبل کی کڑیاں ملا کر، ماضی کو حال میں زندہ کر دیا۔ قانون علت و معلول کے تحت ماضی کی تشریحات اس طرح کیں کہ حال کو جانچا جاسکے اور حال سے مستقبل کے متعلق پیشینگوئی کی جاسکے، جیسا کہ وہ فرماتے ہیں:

لَأَنَّ الْأَخْبَارَ إِذَا اعْتُمِدَ فِيهَا عَلَى مُجَرَّدِ النَّقْلِ وَلَمْ تُحْكَمْ أَصُولُ الْعَادَةِ وَ قَوَاعِدُ السِّيَاسَةِ وَطَبِيعَةُ الْعُمَرَانِ وَ الْأَحْوَالِ فِي الْاجْتِمَاعِ الْإِنْسَانِي وَلَا قِسَ الْغَائِبُ مِنْهَا بِالشَّاهِدِ وَ الْحَاضِرُ بِالدَّاهِبِ فَرُبَّمَا لَمْ يُؤْمَنْ فِيهَا مِنَ الْعُثُورِ وَ مَزَلَّةِ الْقَدَمِ وَ الْحَيْدِ عَنِ جَادَةِ الصِّدْقِ وَ كَثَرًا مَا وَقَعَ لِلْمُؤَرِّخِينَ وَالْمُقَسِّرِينَ وَأَيُّ النَّقْلِ مِنَ الْمَغَالِطِ فِي الْحِكَايَاتِ وَالْوَقَائِعِ الْإِعْتِمَادِيَّةِ فِيهَا عَلَى مُجَرَّدِ النَّقْلِ غَثًّا أَوْ يُعَرِّضُوهَا عَلَى أَصُولِهَا وَلَا قَاسُوهَا بِأَشْبَاهِهَا وَلَا سَبَرُوهَا بِمَعْيَارِ الْحِكْمَةِ وَ الْوُقُوفِ عَلَى طَبَائِعِ الْكَائِنَاتِ وَ تَحْكِيمِ النَّظَرِ وَ الْبَصِيرَةِ فِي الْأَخْبَارِ۔³⁶

(اگر خبروں میں محض نقل پر اعتماد کر لیا جائے اور اصول عادت، قواعد سیاست مدیت کی طبیعت اور معاشرے کے حالات کو بیچ نہ بنایا جائے اور موجود پر غائب کا حاضر پر قیاس نہ کیا جائے تو ان میں بہت لغزشوں اور غلطیوں کا اور راہِ راست سے ہٹ جانے کا امکان باقی رہتا ہے، چنانچہ

مورخین اور مفسرین اور ائمہ نقل کو حکایات و واقعات میں بہت غلطیاں محض اس لیے پیش آئیں کہ انہوں نے صرف نقل پر خواہ غلط ہو یا صحیح قناعت کر لی اور واقعات کو ان اصول و معیار پر کس کر نہیں دیکھا اور اشبہ و نظائر پر قیاس نہیں کیا نہ انہیں حکمت و فلسفہ کی کسوٹی پر کسا اور نہ کائنات کی طبیعتوں پر پرکھا اور نہ ان پر نظر و بصیرت کو پہنچ بنایا۔

ابن خلدون کی اس سوچ کے بارے میں جدید دنیا کے عالمی مؤرخ ٹائن بی (1889-

1979) Toyenbee کہتے ہیں:

He has conceived and formulated a philosophy of History which is undoubtedly the greatest work of its kind that has ever yet been created by any mind in any time or place.³⁷

(انہوں نے ایک فلسفہ تاریخ سوچا اور تشکیل دیا، جو اپنی نوعیت کا عظیم ترین کام ہے، جو کبھی کسی زمان و مکان میں، اب تک تخلیق نہیں کیا جاسکا۔)

برصغیر کے جدید علمائے تاریخ:

برصغیر کے جدید مفکر اور مؤرخ، علامہ شبلی نعمانی (1857-1914ء) کا خیال ہے کہ تاریخ کا نصب العین ان واقعات اور حالات کا پتہ چلانا ہے کہ موجودہ زمانہ گزشتہ زمانہ سے نتیجتاً کیسے پیدا ہوا۔ علامہ شبلی، علامہ ابن خلدون کے اس نظریہ کے ساتھ متفق ہیں کہ ہر دور کا اپنا مزاج ہوتا ہے اس لیے اس دور کے معاشرتی، ثقافتی اور ذہنی نقوش کو اس قدر ابھارا جائے کہ پڑھنے والے کے ذہن میں اس دور کا مکمل نقشہ بن جائے۔³⁸ وہ لکھتے ہیں:

علم تاریخ اپنے اندر وسیع تر مفہوم رکھتا ہے۔ اس میں جامعیت بھی ہے اور ہمہ گیریت بھی۔ یہ کئی ایک علوم سے بالواسطہ یا بلاواسطہ تعلق و واسطہ رکھتا ہے۔ یہ انسانی مطالعہ کا دوسرا نام ہے۔ اس کے لئے اسے علوم کی گئی ایک شاخوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ اپنے نفس مضمون کے اعتبار سے اس کا اقوام و ملل اور تہذیبوں و تمدنوں سے گہرا تعلق ہے۔ آج دنیا میں جو تمدن، معاشرت، خیالات اور مذاہب موجود ہیں۔ سب گزشتہ واقعات کے نتائج ہیں۔³⁹

جس طرح تاریخ اور اس کا علم کمال کی چیز ہے اسی طرح تاریخ لکھنا بھی ایک خاص فن ہے۔ تاریخ نویسی، دراصل، تاریخی واقعات اور حقائق و قرائن کو ان کی روح کے مطابق قلم بند کرنے کا دوسرا نام ہے۔ اس فن میں کمال مؤرخ کی صلاحیت، قوت مشاہدہ اور زور قلم پر منحصر ہوتا ہے۔ دیکھنا یہ ہوتا ہے کہ مؤرخ کسی واقعہ کو حقیقت کے آئینے میں کس طرح متشکل کرتا ہے۔

علامہ شبلی ابن خلدون کے نظریہ عصبيت کو تہذیبوں کے عروج و زوال کا سبب نہیں کہتے بلکہ وہ سمجھتے ہیں کہ قومی بقا صلاحیت میں ہے، جب تک صلاحیت قائم رہے گی تہذیب بھی قائم رہے گی اور ترقی کی منازل طے کرے گی۔ وہ لکھتے ہیں:

کچھ چیزیں تاریخ سے بطور روایت اور نشہ میں ملتی ہیں اس لیے ترقی کا ہر قدم ماضی کی اساس پر ہونا چاہیے۔ لوگ کہتے ہیں آگے بڑھو میں کہتا ہوں کہ پیچھے ہٹو کہ صحابہ کے دور میں چلے جاؤ اور اس سے بھی اور پیچھے ہٹو کہ نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں پہنچ جاؤ۔ پیچھے ہٹنے سے مراد حضور ﷺ کی پیدا کی ہوئی فضا اور روح تک پہنچنا ہے۔ اور اسی ماضی کی اساس پر مستقبل کو ترتیب دینا ہے۔⁴⁰

عالم اسلام کے عظیم مفکر علامہ اقبال (1877-1938ء) فرماتے ہیں کہ: تاریخ ایک طرح کا گراموفون ہے جس میں قوموں کی صدائیں محفوظ ہیں۔⁴¹ ماضی کے واقعات کو ترتیب وار لکھنے کا نام تاریخ نہیں بلکہ اسباب و علل کے باہمی ربط کو جاننے اور ان کی روشنی میں قوموں کے عروج و زوال کے اصول اخذ کرنے کا مفہوم بھی شامل ہے۔ علامہ صاحب سمجھتے ہیں کہ قرآن نے جہاں فطرت کو علم کا ایک ذریعہ قرار دیا ہے اسی طرح تاریخ بھی ذریعہ علم ہے۔ آپ کے نزدیک تاریخ وہ آئینہ ہے جس میں انسانی ارتقاء کی پوری تصویر نظر آتی ہے اور انسان اس کو دیکھ کر اپنا آپ سنوارتا ہے۔ اسلامی ثقافت کی روح، خطبہ نمبر پانچ میں فرماتے ہیں کہ:

علم انسانی کے قرآن کے نزدیک دوسرے چشمے ہیں ایک عالم فطرت اور دوسرا عالم تاریخ۔⁴²

قرآن مجید میں پہلی قوموں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سورۃ الانعام میں فرمایا گیا ہے کہ ماضی میں جھانکنے اور درس عبرت حاصل کرنے کے لیے، ماضی کے آثار کا مشاہدہ کیا جائے:

﴿قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ ثُمَّ انظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ﴾⁴³

(آپ کہہ دیجیے کہ زمیں میں سیر کرو اور پھر دیکھو کہ حقیقت جھٹلانے والوں کا انجام کیا ہوا۔)

یہ اس بات کا اعلان ہے کہ گزرے ہوئے واقعات علم و بصیرت کا منبع ہیں اور اعلیٰ نصب العین کے حصول میں تاریخ انسان کی رہنمائی کرتے ہے۔ اسی انفرادی اور اجتماعی محاسبہ کے لیے قرآن بار بار تاریخ کا حوالہ دیتا ہے۔ علامہ اقبال کے مطابق، تاریخ زمانہ کے اندر ایک مسلسل حرکت کا نام ہے، اس لیے اس کی نوعیت تخلیقی ہے۔ قرآن مجید نے تاریخ کو ایام اللہ سے تعبیر کیا ہے۔ زندگی کی یہ مسلسل ارتقائی حرکت جس میں گزرے ہوئے افراد و اقوام کی تخلیقی اور تحریبی اعمال سے آئندہ نسلوں کی تربیت منسلک ہوتی ہے۔ اسلام کے ہاں بنیادی قدر حرکت یعنی عمل ہے۔ قرآن مجید سور فاتحہ میں اسی عملی پہلو کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ لہذا عمل کیا ہے صراط مستقیم، صراط مستقیم کیا ہے؟ حرکت، حرکت کیا ہے؟ تاریخ کے تناظر میں وہ قوت ہے جو انسان کو ماضی کے ساتھ جوڑے ہوئے بہتر، روشن، منزہ اور مقدس مستقبل کی طرف لے کر جاتی ہے۔⁴⁴

اقبال کے خیال میں تاریخ قوم کا حافظہ ہے، اگر حافظہ میں خلل پیدا ہو جائے تو دماغی توازن قائم نہیں رہتا انسان پگلا جاتا ہے۔ اسی طرح جو قومیں اپنے ماضی یعنی تاریخ سے نا آشنا ہوتی ہیں اور ماضی سے اپنا رشتہ توڑ لیتی ہیں وہ اپنی روایات سے بیگانہ ہو جاتی ہیں وہ بحیثیت قوم کبھی ترقی نہیں کر سکتی۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

سرزند از ماضی تو حال تو خیر داز حال تو استقبال تو

مشکل از خواہی حیات لازوال رشتہ ماضی از استقبال و حال⁴⁵

(تیرا حال تیرے ماضی سے پھوٹتا ہے اور حال سے استقبال نکلتا ہے، اگر تو حیات لازوال کا خواہاں ہے تو پھر اپنے ماضی کا رشتہ اپنے حال و استقبال سے قطع نہ کر۔) اسی طرح وہ فرماتے ہیں:

روح را سرمایہ تاب است ایں جسم ملت را چو اعصاب است ایں

بہجو خنجر بر فسانت می زند باز بر روے جہانت می زند⁴⁶

(تاریخ روح کے لیے آب حیات کا سرچشمہ ہے۔ اور قوموں کے جسم میں اسے رگوں کی حیثیت حاصل ہے۔ یہ پہلے تجھ تلوار کی طرح سان پر لگاتی ہے، پھر اٹھا کر دنیا کی کشمکش گاہ میں پھینک دیتی ہے کہ جو کچھ انجام دے سکتا ہے انجام دے۔)

علامہ صاحب گذشتہ کو حال میں پیوستہ دیکھتے ہیں اور یوں تاریخ کا حیاتیاتی عمل اور انسانی ارتقاء کھل کر سامنے آ جاتا ہے۔ علیگڑھ مسلم یونیورسٹی سٹوڈنٹس یونین کے سپاس نامہ کے جواب میں نومبر ۱۹۲۹ء کی تقریر میں، اقبال نے فرمایا:

میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو صرف اپنے ماضی سے محبت کرتے ہیں۔ میں تو اپنے مستقبل کا معتقد ہوں۔ ماضی کی ضرورت مجھے اس لیے ہے کہ میں حال ہوں۔ اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ چشمہ تہذیب و شناسائی کو سمجھا جائے تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ آج دنیائے اسلام میں کیا ہو رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ آپ ماضی کو سمجھیں۔⁴⁷

گویا اقبال کی نظر میں، تاریخ دانش و بصیرت کا مرقع ہے۔ اس کا مطالعہ ماضی کا شعور دیتا ہے۔ اور مستقبل کے لیے بصیرت عطاء کرتا ہے۔ آپ نے بہت سے تاریخی کرداروں کو شعری جامہ پہنایا ہے اور ان کے اخلاقی روحانی کردار کو امت کے سامنے رکھا ہے۔ اور علامہ اقبال وہ پہلے فلسفی ہیں جنہوں نے روحانی تجربات کو فلسفیانہ بنیادوں پر پرکھنے کی کوشش کی۔ وہ کہتے ہیں:

تاریخ ایک قسم کی اطلاقی اخلاقیات ہے۔ اگر اخلاقیات دیگر علوم کی طرح ایک تجرباتی علم ہے تو اسے انسانی تجربے کے انکشافات پر مبنی ہونا چاہیے۔⁴⁸

سیّد ابوالاعلیٰ مودودی (1903-1979ء) علمی اور فکری دنیا میں ایک ممتاز مقام رکھتے تھے۔ آپ کی تاریخ پر بڑی دقیق نظر ہے۔ اگرچہ آپ نے باقاعدہ نظریہ تاریخ پر کوئی مستقل کلام نہیں کیا مگر ہزاروں صفحات پر پھیلی ہوئی متعدد تاریخی تحریروں سے انداز ہوتا ہے کہ آپ کے تاریخ کے بارے نظریات کیا تھے۔ آپ کا نظریہ حیات تاریخ قرآن و سنت سے ماخوذ ہے۔ آپ اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں کہ:

قدیم اور جدید فلسفہ، سائنس، معاشیات، سیاسیات، وغیرہ اچھی خاصی لائبریری دماغ میں اتار چکا ہوں، مگر جب آنکھ کھول کر قرآن کو پڑھا تو بخدا ایوں محسوس ہوا کہ جو کچھ پڑھا تھا بیچ تھا۔ علم کی جڑ تو اب ہاتھ آئی ہے۔ کانٹ، ہیگل، نطشے، مارکس اور دنیا کے بڑے بڑے مفکرین اب مجھے بچے نظر آتے ہیں۔ بے چاروں پر ترس آتا ہے کہ ساری عمر جن کھیتوں کو سجاتے رہے اور جن مسائل پر بڑی بڑی کتابیں تصنیف کر ڈالیں، پھر بھی نہ حل کر سکے۔ اس کتاب قرآن نے دو فکروں میں حل کر کے رکھ دیئے۔⁴⁹

سیّد مودودی کے تصور تاریخ کی بنیاد قرآن مجید ہے۔ آپ نے جن تاریخی موضوعات پر قلم اٹھایا ہے قرآن مجید کے بیان کردہ تاریخی حقائق کی روشنی میں اس کی وضاحت کی۔ وہ اسلامی تناظر میں تاریخ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اگر ایک مسلمان صحیح اسلامی ذہنیت کے ساتھ تاریخ کا مطالعہ کرے تو اس کا فریضہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو وہ واقعات کو جیسے کہ وہ فی الواقع گزرے ہیں بلا کسی تعصب جوں کے توں سامنے رکھے، اور پھر اسلام نے جو معیار حق و باطل اس کو دیا ہے، اس کے مطابق اشخاص، اقوام اور اداروں کے رویوں کو جانچ کر بے لاگ نتائج اخذ کرے، غلطی جہاں ہو، کوتاہی جہاں بھی پائی جائے اسے بے تکلف وہیں انگلی رکھ دینی چاہیے، اور کھوج لگانا چاہیے کہ اس کی پیدائش کے اسباب کیا ہیں اور اس نے انسانی فلاح و سعادت پر کیا اثر ڈالا ہے۔ خوبی جہاں اور جس میں بھی نظر آئے، بے تکلف اس کا ادراک کرنا چاہیے اور اس کے مفید نتائج یا بے نتیجہ رہ جانے کے اسباب کا سراغ لگانا چاہیے۔ ٹھیک ٹھیک یہی رویہ ہے جو قرآن میں سوانح اشخاص اور تاریخ اقوام سے بحث و استدلال کرتے وقت اختیار کیا گیا ہے۔⁵⁰

سید مودودی تاریخ ساز شخصیات کا تنقیدی جائزہ لینے کے قائل ہیں تاکہ پتہ چلایا جاسکے کہ اس دور کے لحاظ سے ان شخصیات سے کیا غلطیاں سرزد ہوئی ہیں یا وہ کون سے ایسے کام ہیں جو انہیں کرنے چاہیے تھے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ:

ہمیں اپنی پچھلی تاریخ کی طرف پلٹ کر دیکھنا ہو گا کہ ان بہت سی صدیوں میں ہمارے مختلف لیڈروں نے کتنا کام کس کس طرح کیا ہے اور ان کے کارناموں سے ہم کس حد تک فائدہ اٹھا سکتے ہیں اور ان سے کیا چھوٹ گیا ہے جس کی تلافی پر اب ہمیں متوجہ ہونا چاہیے۔⁵¹

تاریخ میں موجود اور مضمر حقائق سے جب تک پردہ نہیں اٹھے گا اس وقت تک ہم تاریخ سے کوئی خاطر خواہ نتائج اور فوائد حاصل نہیں کر سکتے۔ جب تک حقائق کی تلاش میں واقعات کی جزئیات کی تحقیق نہ کی جائے گی تو اس وقت تک اصلیت ہماری نظروں کے سامنے نہیں آئے گی۔ اور پھر اس کا اصل تصور کوئی اور ہو گا اور ہم کسی اور طرف جارہے ہوں گے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ:

پوری انسانی تاریخ دراصل دو مقابل طاقتوں کی کش مکش کی تاریخ ہے۔ ایک اسلام یعنی دین فطرت کی قوت اور دوسری جاہلیت یعنی مسخ شدہ فطرت انسانی کی قوت۔ اس کش مکش میں کبھی اسلام ابھرتا ہے اور جاہلیت دب جاتی ہے اور کبھی جاہلیت ابھرتی ہے اور اسلام دب جاتا ہے۔⁵²

انسان اس کش مکش میں ایک واسطہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اب یہاں اس کو یہ فہم پیدا کرنے کی ضرورت ہے کہ اس مقابلہ میں آیا وہ کس کے ساتھ ہے اور اپنے کردار و عمل کے ساتھ کس طرف کھڑا ہے۔ چنانچہ مولانا فرماتے ہیں کہ:

اسلام اور جاہلیت کے نازک اور باریک فرق کو بالکل واضح صورت میں بہت کم لوگ محسوس کرتے ہیں زیادہ تر لوگ ان دونوں کو خلط ملط کر کے کچھ اس طرح پر اگندہ خیالی میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ کام تو جاہلیت کے لیے کر رہے ہوتے ہیں اور سمجھتے ہیں اسلام کے لیے کر رہے ہیں۔⁵³

خلاصہ بحث:

کسی بھی دور کے حالات و واقعات اس دور کے فکری ارتقاء کے ضامن ہوتے ہیں۔ لہذا ہر واقعہ اسباب علل کا مرقع ہوتا ہے۔ مؤرخین میں سے اکثر مؤرخین کا یہی طریقہ رہا ہے کہ انہوں نے واقعات کو تشریح اور توضیح کے ساتھ بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ جب کہ مسلم مؤرخین کا نظریہ تاریخ قرآن مجید سے مستنبط ہے۔ انہوں نے تاریخ کی تدوین بھی اسی انداز سے کی جس انداز سے وہ قرآن، حدیث اور سیرت کی تدوین کر چکے تھے۔ وہ تاریخ کو ذریعہ علم سمجھتے تھے۔ ان کے خیال میں گزشتہ قوموں کے واقعات آنے والی قوموں کے لیے سبق آموز اور بہتر زندگی کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔

ابن مسکویہ کے مطابق ماضی کے واقعات اور قصص کو اسباب اور علل تحت دیکھا جانا چاہیے جب کہ ابن خلدون کے مطابق حالات کی تہوں میں فلسفہ حیات پنہاں ہوتا ہے جس کو جان کر ماضی تشریحات کر کے حال جانا جاتا ہے اور مستقبل کے متعلق پیشین گوئی کی جاتی ہے۔ برصغیر کے مسلم مؤرخین میں ضیاء الدین برنی مؤقف ہے کہ تاریخ سے یہ سبق سیکھنا ضروری ہے کہ گزشتہ زمانے کے افراد کو کن کن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اور کون سی وہ تدابیر تھیں جن کے تحت وہ ان سے باہر آئے اور ہمارے لیے ان میں کیا سبق موجود ہے۔ ملا عبد القادر بدایونی اس عالم میں رونما ہونے والے ہر سانحہ اور حادثہ کو قدرت کی حکمت کا نتیجہ سمجھتے ہیں تو علامہ شبلی قوموں کے عروج کا سبب صالحیت کو قرار دیتے ہیں۔

علامہ اقبال تاریخ کو گراموفون کی مانند سمجھتے ہیں جس میں قوموں کی صدائیں محفوظ ہیں، آپ تاریخ کو ایک مسلسل ارتقائی حرکت قرار دیتے ہیں جس کے ساتھ آئندہ کی نسلوں کی تربیت منسلک ہوتی ہے اور یہ وہ حافظہ ہے جس کے بغیر ذہنی توازن قائم نہیں رہتا۔ مولانا مودودی تاریخ کے بیان میں کسی معذرت خواہانہ رویہ کے قائل نہیں ہیں بلکہ وہ سمجھتے ہیں کہ کسی مطالعاتی تجربے میں ضروری حقائق کو بلا کم و کاست سامنے لانا بہت ضروری ہے، خواہ وہ کتنے ہی تلخ ہوں، بصورت دیگر، مستقبل کی صورت گری گہنا جائے گی۔

حواشی و حوالہ جات

- 1 السخاوی، عبد الرحمن شمس الدین۔ الاعلان بالتوثيق۔ بیروت: موسسه الرساله 1986ء، ص: 16
- 2 A Greek English Dictionary, Oxford: Clarendon Press, 1996, "History"
- 3 R.G Collingwood. The Idea of History, UK: Oxford University Press, 1946, p: 11.
- 4 Aristotle, The Poetics (Translated by S H Butcher) London: Macmillan, 1902, p: 45
- 5 Toynbee, Arnold j. A Study of History, London: Oxford University Press, 1935 Vol: III, p: 255
- 6 الرد 11:13
- 7 - الملک: 01
- 8 - السین: 38-40
- 9 - الروم: 30
- 10 - فاطر: 43
- 11 - زخشری، ابو القاسم محمود بن عمر، الکشاف، (دار لکتاب العربی، بیروت، 1406ھ)، 1: 417
- 12 - ابن تیمیہ، مجموع الفتاوی، (وزارة الشؤون الاسلامیة والاوقاف والدعوة والارشاد، 2004ء)، 3: 20
- 13 - رشید رضا، محمد رشید رضا، تفسیر المنار، (بیروت: دار المعرفہ، س، ن)، 4: 139
- 14 ابن تیمیہ، ابو عباس احمد بن عبد الحلیم، جامع الرسائل، (المجموعۃ الاولی، تحقیق: د. محمد رشاد سالم، القاہرہ: مطبعۃ المدنی، 1984ء)، 52
- 15 - زیدان، عبد الکریم، السنن الالہیہ فی الامم والجماعات والافراد فی الشریعۃ الاسلامیہ، (بیروت: موسسه الرسالہ، 1993ء)، 24-25
- 16 - لقمان: 20؛ البقرہ: 29
- 17 - الدھر: 3
- 18 - النمل: 40
- 19 . Fazalurrehman, *Major Themes of The Quran*, (Chicago: University of Chicago), p.16
- 20 - پرویز، غلام احمد، سلیم کے نام، (لاہور: طلوع اسلام ٹرسٹ، 1998ء)، 3: 105

- 21 - اقبال، علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال اردو (ضربِ کلیم)، (لاہور: اقبال اکیڈمی پاکستان، 1990ء)، 578
- 22
- 23 - یونس 49:10
- 24 ایضاً: 44
- 25 - المسعودی، ابوالحسن بن حسین بن علی۔ مروج الذهب۔ مصر: مطبعۃ البیہ قاہرہ، 1342ء ج: 1، ص: 3
- 26 - ابن مسکویہ، احمد بن محمد۔ مقدمہ تجارب الامم۔ بیروت: دارالکتب العلمیہ، 2003ء، ص: 60
- 27 - برنی، ضیاء الدین۔ تاریخ فیروز شاہی۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، 2005ء، ص: 18
- 28 ایضاً، ص: 48
- 29 ایضاً، ص: 50
- 30 علامہ ابن خلدون، عبدالرحمن۔ المقدمہ۔ بیروت: دار الفکر 2003ء، ص: 13
- 31 بدایونی، ملا عبدالقادر۔ منتخب التواریخ۔ لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، (س، ن)، ص: 323
- 32 ایضاً، ص: 328
- 33 حاجی خلیفہ، مصطفیٰ بن عبداللہ۔ کشف الظنون، بیروت: دارالحیاء التراث، ج: 1، ص: 271
- 34 Toynbee, Arnold j. A Study of History, p: 255
- 35 Ludwlg Von Misses. Theory and History, London: OUP. 1985, p: 225
- 36 علامہ ابن خلدون۔ المقدمہ۔ ص: 32-33
- 37 Toynbee, A Study of History, Vol: III, p: 322.
- 38 نعمانی، علامہ شبلی۔ الفاروق۔ لاہور: مکتبہ نعمانیہ، ص: 25
- 39 ایضاً، ص: 26
- 40 ایضاً، ص: 28
- 41 ڈاکٹر افتخار احمد۔ شذرات فکر اقبال۔ لاہور: مجلس ترقی اردو ادب، ص: 140
- 42 اقبال، ڈاکٹر علامہ محمد۔ تشکیل جدید الہیات اسلامیہ۔ (مترجم سید نذیر نیازی) لاہور: بزم اقبال، 2012ء، ص: 194
- 43 الانعام 6: 11
- 44 علامہ اقبال۔ تشکیل جدید الہیات اسلامیہ۔ (مترجم سید نذیر نیازی)، ص: 194
- 45 علامہ اقبال۔ کلیات (فارسی)۔ لاہور: مکتبہ دانیال، ص: 230
- 46 ایضاً۔ ص: 229

- 47 رفیق افضل، محمد۔ گفتار اقبال۔ لاہور: دانش گاہ پنجاب، ص: 105
- 48 ڈاکٹر افتخار احمد۔ شذرات فکر اقبال۔ ص: 79
- 49 ندوی، محمد عمران۔ مشاہیر اہل علم کی محسن کتابیں۔ اعظم گڑھ: معارف پریس، (س، ن)، ص: 27
- 50 خورشید احمد، پروفیسر۔ ادبیات مودودی۔ ص: 260
- 51 سید مودودی، ابو اعلیٰ۔ تجدید و احیائے دین۔ لاہور: اسلامک پبلیکیشنز، ص: 9
- 52 خورشید احمد، پروفیسر۔ ادبیات مودودی۔ ص: 217
- 53 سید مودودی۔ دولت آصفیہ اور حکومت برطانیہ؛ سیاسی تعلقات پر ایک نظر۔ دہلی: جید برقی پریس، 1928ء، ص: 3